معاصر اجارہ میں دفع ضرر اور تلفیق بین المذاہب کی فعالیت ہنیۃ المحاسبۃ والمراجعتہ کے فتاویٰ کا تحقیقی جائزہ

عبدالرزاق *

محمد اعجاز **

Abstract

Talqiq is largely being used by Mujtahidin to solve the contemporary issues. Literally, It means to merge and put something together. However, In Islamic jurisprudence it is defined as "to follow opinion of more than one scholar (Mujtahidin), in a single matter of several branches and sub issues. Talqiq is allowed in matters which can be subject of probable Ijtihad and not allowed in believes and unanimous matters. Provided that, Talqiq leads to support of fundamental standards of Shariah and realization of valid interest of the people. Today, in tha age of globalization, Talqiq has gained more attention by contemporary Islamic scholars. They commonly use it while analyzing modern Issues, especially financial transactions to take interpretative judgment in the light of Islamic law. An apparent example of Talqiq application is Fatawa and standards issued by AAOIFI (Accounting and Auditing Organization of Islamic Financial Institutions). Ijara (Leasing) is one of those standards used in this regard.

In Islamic law Ijara means "to give something on rent". It derives legitimacy from *Qur'an* and Sunnah. However, validity of many other products of Ijara based on the concept of Talqiq, i.e. 'Ijara muntahiya bit tamlik'. It is a contract of leasing with promise to sell. It is introduced by AAOIFI as an Islamic financing tool alternative to the interest-bearing hire purchase. The main cause of adopting Talqiq tool in Ijarah contract is 'hardship removal' that is important principle of shariah. This paper discusses in detail, the process of Talqiq applied in modern Ijarah cases.

Keywords: Talqiq, Hardship Removal, Ijara, AAOIFI, Financial

* پی ایچ ڈی سکالر، شیخ زید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔

** ڈائریکٹر، شیخ زید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔

فقہاء کے نزدیک کسی ایک مسئلے، ایک باب یا مختلف ابواب میں دو یا دو سے زیادہ فقہاء کی آراء کو اس انداز میں جمع کرنا کہ وہ فقہی مسئلہ کسی ایک فقیہ کے نزدیک بھی درست اور قابل عمل نہ ہو، "تلفیق" کہلاتا ہے۔ تلفیق جہاں ایک انتہائی نازک، حساس اور پیچیدہ مسئلہ ہے، وہاں دور حاضر میں "فقہ المعاملات المالیه" میں اس کی بہت اشد ضرورت بھی ہے، کیوں کہ موجودہ دور کے مالی معاملات، بدلتے حالات کی وجہ سے بہت وسعت اختیار کر گئے ہیں، جس کا حل کسی ایک متعین فقہی مذہب کے مطابق نہیں ملتا۔ ان معاصر مالیاتی مسائل میں اگر کسی متعین مسلک کی پیروی کی جائے تو اسلامی مالیاتی اداروں کو سودی مالیاتی اداروں کے مقابلے میں شدید ترین مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور بعض دفعہ یہ عوام کی کاروباری ضروریات بھی صحیح طریقے سے پوری نہیں کر پاتے۔ اس لیے وہ علماء جو ان اسلامی مالیاتی اداروں کے لئے شرعی معیارات مرتب کرتے ہیں، ان میں اکثر و بیشتر تلفیق سے کام لیتے ہیں۔ تلفیق اور جمع بین المذہب اسلامی مالیاتی اداروں کے مسائل کے حل کے لیے ایک نمایاں اور پسندیدہ ترین منہج استدلال بن چکا ہے۔ لیکن اس طرز اجتہاد کی بنیاد لوگوں کے حقوق کی حفاظت، ضرورت و حاجت، عرف و تعامل، سد ذرائع، مصلحت عامہ، اباحتِ اصلیہ اور دفعِ ضرر جیسے عوامل اور اصول و ضوابط پر ہے۔

اجارہ فقہ اسلامی کی قدیم اور معروف اصطلاح ہے، عام طور پر اجارہ میں خدمات اور منافع کو اجرت پر حاصل کیا جاتا ہے، لیکن عصر حاضر میں خاص کر اسلامی مالیاتی اداروں میں اجارہ کی ایک جدید شکل "الاجارۃ المنتہیۃ بالتملیک" کو طریقہ تمویل کے طور پر بکثرت استعمال کیا جاتا ہے۔ ہیئۃ المحاسبۃ والمراجعة للمؤسسات المالیه الاسلامیۃ نے اسلامی مالیاتی اداروں کے لئے شرعی معیارات تیار کیے ہیں، جن میں ان کی مجلس شرعی نے موجودہ تناظر میں اسلامی بینکوں کو درپیش چیلنجز، مشکلات اور تاجروں کی کاروباری ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے مختلف پروڈکٹس کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لئے مختلف مذہب کے مطابق فتاویٰ جاری کیے ہیں، کیوں کہ ان جدید صورتوں کا قابل عمل شرعی حل کسی ایک فقہی مذہب میں ملنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔

زیر نظر مضمون میں سب سے پہلے تلفیق کا معنی و مفہوم، حکم اور دفعِ ضرر کے اصول کی وضاحت و اہمیت کو بیان کیا جائے گا اور پھر ہیئۃ المحاسبۃ والمراجعة¹ کے جاری کردہ معیار شرعی "الاجارۃ المنتہیۃ بالتملیک" میں سے دفعِ ضرر کی بنا پر تلفیق پر مبنی مختلف فتاویٰ کا تحقیقی جائزہ لیا جائے گا، اور ان میں اس بات کا

¹ ہیئۃ المحاسبۃ والمراجعة للمؤسسات المالیه الاسلامیۃ کے شریعہ بورڈ نے ۱۹۹۱ء سے اب تک اسلامی بنکاری اور مالیات پر جو شرعی معیارات تیار کیے ہیں ان کی تعداد اٹھاون (۵۸) ہے۔ جو مختلف موضوعات کا احاطہ کرتے ہیں۔

معاصر اجارہ میں دفع ضرر اور تلفیق بین المذاهب کی فعالیت بیحد الحاسبہ والمراجعة کے فتاویٰ کا تحقیق جائزہ

بھی جائزہ لیا جائے گا کہ ان مسائل میں واقعی کوئی ضرر موجود تھا؟ یا محض مبینکوں کی سہولت اور نفع رسانی کے لئے تلفیق کو اختیار کیا گیا ہے۔

تلفیق کا لغوی معنی:

تلفیق باب تفعیل سے مصدر کا صیغہ ہے، دو چیزوں کو ملانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، لغت میں ہے لَفَقَ الثَّوْبَ يَلْفُقُهُ لَفْقًا: ضَمَّ شِقَّةً إِلَى أُخْرَى فَخَاطَهُمَا يَعْنِي كِطْرَے كُوْدُوْمِرَا كَرَكے سِنَا۔ وَالتَّلْفِيقُ: ضَمُّ إِخْدَى الشَّقَّتَيْنِ إِلَى الْأُخْرَى، فَتَحِيْطُهُمَا، يَعْنِي تَلْفِيقَ دُوَسِرُوْں كُوْمَلَا كَرَسَى دِيْنِيْے كَا نَامُ هِي۔²

تلفیق کی اصطلاحی تعریف:

تلفیق کی اصطلاح متقدمین کے ہاں مستعمل نہیں تھی بلکہ وہ اسے عام طور پر لغوی معنی میں ہی استعمال کرتے تھے۔ علمائے متقدمین کے ہاں تلفیق کی جگہ تنبیح الرخص کی اصطلاح استعمال ہوتی تھی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ تمام مذاہب فقہیہ میں سے آسان اقوال تلاش کرنا اور ان پر عمل کرنا۔ البتہ متاخرین فقہاء کے نزدیک کسی ایک مسئلے میں یا کسی ایک باب کے مختلف مسائل میں مختلف فقہی مذاہب کو اکٹھا کر دینا "تلفیق" کہلاتا ہے۔

الْمَرَادُ بِالتَّلْفِيقِ بَيِّنُ الْمَذَاهِبِ أَخَذُ صِحَّةِ الْفِعْلِ مِنْ مَذَهَبَيْنِ مَعًا بَعْدَ الْحُكْمِ بِبُطْلَانِهِ عَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِمُقَرَّرِهِ³

فقہی مذاہب میں تلفیق سے مراد یہ ہے کہ دو مختلف مذاہب میں سے کسی ایک فعل کو اجتماعی طور پر درست قرار دینا جب کہ انفرادی طور پر اسے کوئی بھی درست قرار نہ دیتا ہو۔

وقد يطلق "التلفيق" ويراد منه العمل في حادثة بمذهب، وفي أخرى بمذهب آخر⁴

”یعنی کسی ایک مسئلے میں ایک مذہب پر عمل کرنا اور دوسرے مسئلے میں کسی دوسرے مذہب پر عمل کرنا تلفیق کہلاتا ہے۔“

علامہ البانی نے تلفیق کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

أن التلفيق عبارة عن: الجمع بين المذاهب الفقهية المختلفة في أجزاء الحكم الواحد بكيفية لم يقل بها أي من تلك المذاهب⁵

² ابن منظور افريقي، محمد بن كرم، لسان العرب، (بيروت: دار احياء التراث العربي، 1996ء)، 10: 330

³ موسوعه فقهيہ كويتية، وزارت اوقاف و اسلامى امور، (كويت: اسلامى فقه اكيڈمى، انڈيا، 2009ء)، 13: 293

⁴ عبد اللہ بن محمد، ڈاکٹر، **التلفیق و حکمہ فی الفقہ الاسلامی**، (دمشق: المکتبہ الاسلامی، س ن)، 12

”مختلف فقہی مذاہب کو ایک حکم کے اجزاء میں اس طرح جمع کرنا کہ ان مذاہب میں سے اس کی اس حالت کے جواز کا کوئی بھی قائل نہ ہو، تلفیق کہلاتا ہے۔“

ان تعریفات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تلفیق، مقلد آدمی کا کسی ایک مسئلہ میں ایک سے زائد مذاہب کی جزئیات کو اس طرح جمع کرنا ہے کہ اس کی مجموعی شکل کسی کے نزدیک بھی جائز نہ ہو۔

تلفیق کی مشہور مثال جو عام طور پر دی جاتی ہے، وہ یہ ہے کہ ایک انسان وضو کرنے کے بعد کسی عورت کو بغیر حائل کے چھولیتا ہے اور ساتھ ہی اس کے بدن کے کسی حصے سے خون نکل آتا ہے، پھر وہ اسی حالت میں نماز پڑھتا ہے۔ تو اس کی نماز کسی بھی فقہی مذہب کے مطابق درست نہیں۔ حنفیہ کے نزدیک اس لیے کہ اس کا وضو خون بہنے کی وجہ سے ٹوٹ گیا ہے۔ شوافع کے نزدیک "مس امرۃ" سے وضو ٹوٹ گیا، لہذا دونوں کے نزدیک اس شخص کی نماز درست نہیں۔ جبکہ تلفیق کرنے والا اپنے گمان میں اسے درست قرار دے رہا ہے اور اس کے خیال میں اس نے "مس امرۃ" والی صورت میں حنفیہ کے مذہب پر جب کہ خون نکلنے کی صورت میں شوافع کے مذہب پر عمل کیا ہے۔

ایک ہی مسئلہ میں دو متضاد موقف اختیار کرنے کی ایک مثال حق شفعہ ہے۔ مثلاً کوئی شخص گھر فروخت کرے اور پڑوسی کا حق شفعہ تسلیم نہ کرے، کیونکہ فقہ شافعی میں پڑوسی کے لیے حق شفعہ نہیں ہے اور اگر کوئی دوسرا شخص اس کے پڑوس میں گھر فروخت کرے تو یہ حنفی مذہب کے مطابق شفعہ کا دعویٰ کر دے۔ تمام فقہاء کے نزدیک تلفیق کی مذکورہ صورتیں ناجائز اور مذموم ہیں، کیوں کہ ان میں انسان نفسانی خواہشات کی اتباع کرتا ہے۔ اور اتباعِ ہویٰ شریعتِ اسلامیہ میں ناپسندیدہ اور مذموم ہے۔⁵

تلفیق کا حکم:

تلفیق کے جواز اور عدم جواز میں قدیم علماء سے کوئی صراحت منقول نہیں، البتہ جدید علماء کی تلفیق کے جواز اور عدم جواز میں طویل علمی مباحث موجود ہیں۔ اور دورِ حاضر میں تو اس موضوع پر بہت سے اہل علم حضرات نے مفصل اور مدلل گفتگو فرمائی ہے۔ تلفیق کے حکم کے بارے میں علماء کے دو نقطہ نظر سب سے اہم ہیں۔

⁵ البانی، محمد سعید، عمدۃ التحقیق فی التعلیل والتلفیق، ط، (دمشق: المکتب الاسلامی)، ۹۱،

⁶ وہبۃ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلہ، (دمشق: دار الفکر، ۱۹۸۵ء)، ۱: ۸۵

معاصر اجارہ میں دفع ضرر اور تلفیق بین المذہب کی فعالیت بیحد الحاسبہ والمراجعة کے فتاویٰ کا تحقیق جائزہ

مانعین: علماء کی ایک جماعت تلفیق کو ناجائز اور ممنوع قرار دیتی ہے۔ ان میں علامہ ابن حجر، شہاب الدین احمد بن احمد رملی، تقی الدین علی السبکی، علامہ ابن قیم، علامہ منصور بن یونس حنبلی، محمد بن علی حصکفی سرفہرست ہیں۔

چنانچہ فقہ حنفی کے مشہور عالم محمد بن علی الحصکفی فرماتے ہیں:

"ان الحكم الملقق باطل بالاجماع⁷

تلفیق پر مبنی حکم بالاجماع باطل ہے۔

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں:

القول بجواز التلفیق خلاف الاجماع⁸

حنابلہ کے مشہور فقیہ مرعی الکرمی فرماتے ہیں:

اعلم أنه قد ذهب كثير من العلماء إلى منع جواز التقليد حيث أدى إلى التلفیق من كل مذهب؛ لأنه حينئذ كل من المذهبين أو المذاهب يرى البطلان⁹

اکثر علماء ایسی تقلید کے عدم جواز کے قائل ہیں جو تلفیق کی طرف لے جاتی ہو، کیوں کہ ایسی صورت میں دو یا زائد مذاہب میں سے ہر ایک اس ملفق صورت کو باطل قرار دیتے ہیں۔

مجوزین:

علماء کی ایک کثیر جماعت تلفیق کو جائز قرار دیتی ہے۔ ان میں علامہ ابن نجیم، علامہ ابن ہمام، ابواسحاق المروزی، بدر الدین بن محمد زکشی شافعی، ڈاکٹر وہبہ زحیلی، اور بہت سے دیگر علماء شامل ہیں۔ علامہ ابن نجیم تلفیق کے جواز میں لکھتے ہیں:

بان المذهب جواز التلفیق¹⁰

”یعنی حنفیہ کا اصل مذہب تلفیق کے جواز کا ہے۔“

⁷ الحصکفی، محمد بن علی، الدر المختار، (بیروت: دار الفکر، ۱۹۹۷ء)، ۱: ۳۸۳

⁸ ابن حجر، الفتاویٰ الکبریٰ، (بیروت: دار المعرفہ، سن)، ۱: ۲۵۱

⁹ الشیخ مرعی الکرمی، مطالب آولی النسخ فی شرح غایة المنتهی، ط، (دمشق: المکتب الاسلامی)، ۱: ۳۹۰

¹⁰ ابن نجیم، زین الدین ابراہیم، رسائل ابن نجیم، (بیروت: طبع دار الکتب العلمیة)، ۲۳۹

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں :

ان المقلد له ان يقلد من شاء وان اخذ العامى فى كل مسئلة يقول مجتهدا خف عليه، وان الا ادرى ما يمنعه من النقل، او العقل، وكون الانسان يتبع ما هو اخف عليه من قول مجتهد، مسوغ له الاجتهاد، ما علمت من الشرائع ذمه عليه وكان النبي صلى الله عليه وسلم يجب ما خفف عن امته¹¹

”مقلد کے لئے جائز ہے کہ وہ جس کی چاہے تقلید کرے۔ اگر کسی مسئلہ میں کوئی عامی آدمی کسی مجتہد کا ایسا قول اختیار کرے جو اس کے لئے آسان ہو تو عقلی اور نقلی اعتبار سے اس میں کوئی قباحت نہیں۔ کیوں کہ اگر کسی اجتہادی مسئلہ میں انسان کسی ایسے فقیہ کا قول اختیار کرے جو اس کے لئے آسان ہو، تو میرے علم میں شریعت کی طرف سے اس پر کوئی مذمت نہیں ہے۔ بلکہ آپ ﷺ تو خود امت کے لئے آسان چیز پسند فرماتے تھے۔“

ڈاکٹر وہبہ زحیلی فرماتے ہیں:

واما المعاملات، واداء الاموال- والحدود المقررة وصيانة الدماء ونحوها من التكليف المرعى فيها مصالح البشرية والموافق الحيوية فيجب الاخذ فيها من كل مذهب ما هو اقرب الى مصلحة العباد وسعادتهم ولولزم منه التلفيق، لمافيه من السعى وراء تائيد المصلحة التي يقصدها الشرح¹²

”اور جہاں تک معاملات، مال کی ادائیگی اور مقرر کردہ سزائیں، حدود وغیرہ جن سے خون کی حفاظت وغیرہ مقصود ہے اور تکالیف شرعیہ جن میں مقصود بنی نوع انسان کا مفاد اور ان کے فوائد کی حفاظت ہے تو ان میں ہر مذہب کی وہ رائے اختیار کرنی ضروری ہے جو لوگوں کے فائدے اور ان کی بہتری کے زیادہ قریب ہو، اگرچہ اس سے تلیفیک لازم آتی ہو، کیوں کہ اس میں درحقیقت شریعت کے مقصود اور مطلوب فائدے کی تائید کی کوشش ہے۔“

اقوال کا تجزیہ اور ان میں تطبیق:

ان مذکورہ اقوال کا تجزیہ کیا جائے تو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جو حضرات تلیفیک کے عدم جواز کے قائل ہیں، ان کی سب بڑی دلیل یہ ہے کہ اس طرح وہ مرکب صورت کسی کے نزدیک بھی صحیح اور درست نہیں رہتی، اور دوسری اہم بات یہ ہے کہ اس میں اتباع ہوئی اور خواہشات نفس کی پیروی ہے، لہذا تلیفیک ناجائز ہے

¹¹ ابن ہمام، فتح القدير، (بيروت: دار الفكر، ۱۴۰۵ھ)، ۷: 758

¹² وہبہ زحیلی، اصول الفقہ الاسلامی، (بيروت: دار الفكر، ۱۴۰۶ھ)، ۱۱۵۰

اور جو حضرات تلفیق کے جواز کے قائل ہیں وہ بھی ان دونوں وجوہ کی بنا پر کی گئی تلفیق کو ناجائز اور ممنوع قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ مجوزین حضرات نے تلفیق کی مطلق اجازت نہیں دی بلکہ اس کے جواز کو مندرجہ ذیل شرائط سے مشروط کیا ہے۔

۱۔ تلفیق تب جائز ہوگی جب اس کی واقعی کوئی حاجت اور ضرورت ہوگی۔ اتباعِ ہوی اور تکلیفات شرعیہ سے بچنے کے لئے نہ ہو۔

۲۔ مسئلہ ملفوقہ کی مرکب صورت کی مخالفت پر اجماع نہ ہو۔ مثلاً ایک آدمی امام شافعی کے مذہب کے مطابق کہتا ہے کہ نبیذ اور خمر حکم میں برابر ہیں، پھر امام ابو حنیفہ کے مذہب پر عمل کرتے ہوئے کہتا ہے کہ نبیذ حلال ہے اور کیوں کہ یہ دونوں امام شافعی کے نزدیک حکم میں برابر ہیں لہذا خمر بھی حلال ہے۔ تو ایسی تلفیق باطل اور حرام ہے۔

۳۔ تلفیق کے جواز کی ایک شرط یہ ہے کہ وہ مقاصد و مزاج شریعت کے مخالف نہ ہو۔ جیسے ایک شخص ولی، مہر اور گواہوں کے بغیر نکاح کرتا ہے، اور بالترتیب امام مالک، امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کی تقلید کا دعویٰ کرتا ہے۔ تو یہ تلفیق ناجائز ہے، کیوں کہ یہ مزاج شریعت کے مخالف ہے۔ اس میں کئی مفاسد پائے جاتے ہیں۔ مثلاً عورت کے حق کا ضیاع، تہمت اور زنا کی بہت زیادہ آسانی۔

۴۔ قضائے قاضی کی مخالفت نہ ہو رہی ہو۔ کیوں کہ قاضی کا حکم رافع اختلاف ہے۔

۵۔ پانچوں شرط یہ ہے کہ مسئلہ ملفوقہ کی صورت مرکبہ کو مبتلاء بہ یا مفتی حالاتِ حاضرہ کے مطابق رائج اور درست سمجھتا ہو۔¹³

قول رائج:

مذکورہ بحث سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اگر مذکورہ شرائط کی رعایت کی جائے تو مجوزین کا قول رائج ہے اور اکثر علماء و فقہاء اس کے جواز کے قائل ہیں۔
اس قول کے رائج ہونے کے مندرجہ ذیل دلائل و براہین ہیں۔

¹³ وہبۃ زحیلی، اصول الفقہ الاسلامی، (بیروت: دار الفکر، ۱۴۰۶ھ)، ۱۱۳۲-۱۱۵۰؛ فتاویٰ الزحیلی، ۱: ۱۱۰؛ علی بن نایف الشحوہ، الخلاصة فی احکام الاجتماع والتقلید، ۱۵۰

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ¹⁴

”اور تم پر دین کے معاملے میں کوئی تنگی نہیں ہے۔“

عامی آدمی کو تقلید کا حکم اس پر آسانی کے لئے ہی دیا گیا ہے تو جب کسی واقعی ضرورت و حاجت کی بنا پر تفسیق کی جاتی ہے تو اس کے جواز میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی۔

صحابہ کرام اور تابعین عظام میں کسی سے بھی کسی خاص مذہب کی تمام مسائل میں پیروی کی کوئی روایت منقول نہیں کہ وہ لوگوں کو اس بات کا پابند کرتے ہوں کہ تمام مسائل میں تم نے میرے بتائے ہوئے مسائل پر ہی عمل کرنا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام اجتہادی مسائل میں صحابہ کرام کسی ایک شخص کی رائے پر عمل کرنا ضروری نہیں سمجھتے تھے۔

فتویٰ علی مذہب الغیر احوال و اشخاص، زمان و مکان اور ضرورت و حاجت کی بنا پر جائز ہے، تو تفسیق بھی اسی بنیاد پر جائز ہے۔

تفسیق کی عدم مشروعیت سے عوام کے معاملات اور عبادات میں فساد کا حکم لازم آئے گا۔ تو عوام سے دفع حرج و مشقت اور عموم بلوی کی وجہ سے بھی تفسیق کے جواز کا قول ہی راجح نظر آتا ہے۔ تفسیق کی عدم مشروعیت سے شریعت کی طرف سے یسر اور آسانی کا پہلو ختم ہو جاتا ہے۔ حالانکہ آپ ﷺ ہمیشہ لوگوں کی سہولت اور آسانی کا خیال فرماتے تھے۔

دفع ضرر: قدیم و جدید فقہاء بہت سے فقہی مسائل کی بنیاد دفع ضرر یا رفع حرج پر رکھتے ہیں۔ تمام فقہاء کے نزدیک منفقہ اصول اور قاعدہ ہے "الضرر يزال" کہ ضرر کو دور کیا جائے گا، یعنی کسی معاملہ میں اگر کسی انسان کو کوئی نقصان پہنچ رہا ہو تو حتی الامکان اسے دور کیا جائے گا۔ فقہاء کے ہاں اس مسلمہ اصول اور ضابطہ کی بنیاد آپ ﷺ کی حدیث مبارکہ "لا ضرر ولا ضرار" ہے۔ نہ نقصان اٹھاؤ اور نہ کسی کو نقصان پہنچاؤ۔¹⁵

مذکورہ بالا حدیث مبارکہ میں "لا" نافیہ ہے جو مفید استغراق جنس ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ ہر قسم اور نوع کا ضرر اور ضرار ممنوع اور حرام ہے لہذا اس کا ترک واجب ہے۔

¹⁴ الحج: ۷۸

¹⁵ امام مالک، الموطاء، القضاء فی المرفق، حدیث: ۲۷۵۸

یہ قاعدہ ان پانچ قواعد میں سے ایک ہے جن کو تمام فقہاء نے باقی تمام قواعد فقہیہ کی اساس اور بنیاد قرار دیا ہے۔ اس قاعدہ پر بہت سے فقہی ابواب کی بنیاد ہے، جیسے تمام خیارات، حجر، شفعہ اور ضمان تلف وغیرہ۔¹⁶

قواعد فقہیہ سے احکام کا استنباط:

فقہائے کرام کے نزدیک تفقہ فی الدین میں قواعد فقہیہ کو بہت ہی اہمیت و مرتبت حاصل ہے، چنانچہ علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں:

معرفة القواعد التي ترد اليها وفرعوا الاحكام عليها، وهي اصول الفقه في الحقيقة، وبها يرتقى الفقيه الى درجة الاجتهاد¹⁷

”ان قواعد فقہیہ کو جاننا جن پر فروعی احکام مرتب ہوتے ہیں، حقیقت میں یہ اصول فقہ ہی ہیں، اور انہی سے انسان اجتہاد کے مرتبہ کو پہنچتا ہے۔“

قواعد فقہیہ سے احکام کے استنباط کے بارے میں اصول یہ ہے کہ قواعد فقہیہ اگر قرآن و حدیث سے ماخوذ ہوں تو تمام علماء کے نزدیک ان سے احکام و مسائل مستنبط ہوں گے اور اگر ان کی بنیاد اجماع، قیاس، اجتہاد اور استقراء ہو تو پھر ان سے استنباط احکام میں علماء کے مختلف اقوال ہیں، بعض کے نزدیک درست ہے اور بعض کے نزدیک درست نہیں ہے۔

چنانچہ علامہ ابن ملقن فرماتے ہیں:

ان القاعدة الفقهية: اذا كانت مبنية على نص شرعي صحيح السند والمعنى، فانما الحجة تكون النص الدال عليها فيكون هذه القاعدة كلية تخرج عليها فروع شتى مثل قاعدة الضرر يزال، فان اصلها قوله عليه وسلم لا ضرر ولا ضرار۔۔۔ اما عدم النص، ونتجت القاعدة عن الاستقراء الصحيح فالقاعدة الفقهية حجة للاستقراء عملا بالظن الراجح ولعموم ادلة القياس۔¹⁸

بے شک قاعدہ فقہیہ کی بنیاد جب ایسی نص شرعی پر ہو جو سند اور معنی کے اعتبار سے صحیح ہو تو یہ قابل حجت ہو گا، اس کے قاعدہ کلیہ ہونے پر نص دلیل ہو گی اور اس سے بہت سی فروع مستنبط ہوں گئیں، جیسے الضرر يزال والا قاعدہ ہے، بے شک اس کی اصل آپ ﷺ کا فرمان لا ضرر ولا ضرار ہے۔۔۔ اور اگر اس کی

¹⁶ سیوطی، عبدالرحمن بن ابوبکر، الاشباہ والنظائر، (بیروت: دار لکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ)

¹⁷ ابن نجیم، ابرہیم بن محمد، الاشباہ والنظائر، (بیروت: دار لکتب العلمیہ، ۱۴۱۹ھ)، ۱: ۲۰

¹⁸ ابن ملقن، عمر بن احمد، الاشباہ والنظائر، (ریاض: دار ابن القیم، ۱۴۳۱ھ)، ۱: ۲۸

بنیاد نص نہ ہو اور قاعدہ فقہیہ استقراء صحیح سے مستنبط ہو تو یہ گمان غالب اور استقرائی دلیل ہو گا اور قیاس کے عمومی دلائل کی طرح ہو گا۔

مذکورہ عبارت سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی ہے کہ وہ تمام قواعد جن کی اساس اور بنیاد قرآن یا احادیث صحیحہ پر ہو وہ فقہاء کے نزدیک استنباط احکام اور اصدار فتاویٰ میں بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ خاص کر دفع ضرر کا مذکورہ قاعدہ تو تمام فقہاء کے نزدیک اساسی اور بنیادی قواعد میں سے ہے جس سے بہت سے دیگر قواعد بھی مستنبط ہوتے ہیں۔

اس قاعدہ کے بارے میں علمائے اصول نے لکھا ہے: قواعد شرع میں یہ قاعدہ بہت اہم ہے جو بندوں کی مصالح میں مقاصد شرعیہ پر مبنی ہے۔

امام غزالی فرماتے کہ شریعت اس لئے آئی ہے کہ لوگوں کے دین، ان کی جان، ان کی عقل، ان کے نسب اور ان کے مال کی حفاظت کرے، لہذا جو چیز اس کے برعکس ہو وہ ضرر ہے، اور ممکن حد تک اس کا ازالہ واجب ہے۔¹⁹ ذیل میں ہیئۃ المحاسبہ کی مجلس شرعی کا اسلامی مالیاتی اداروں کے لئے مرتب کردہ شرعی معیار "الاجارة والاجارة المنتھیة بالتملیک" میں ان فتاویٰ کا جائزہ لیا جائے گا جن میں دفع ضرر کی وجہ سے تملیق کی گئی ہے۔ کیوں کہ مجلس شرعی اپنے فتویٰ میں جو تملیق کرتی ہے اس کی دفع ضرر کے علاوہ اور بھی بہت سی وجوہات ہوتی ہیں، یہاں ان سے بحث نہیں کی جائے گی۔

وعدے کا لازم ہونا:

تمولی اجارہ جو آج کل اسلامی بینکوں میں رائج ہے جسے الاجارة المنتھیة بالتملیک (وہ اجارہ جو ملکیت پر ختم ہو) کہتے ہیں، میں موجر اس بات کا وعدہ کرتا ہے کہ جب مستاجر اپنی تمام شرائط کو پورا کرے گا تو وہ سامان آخر میں مستاجر کو معمولی قیمت پر فروخت یا بغیر قیمت کے ہبہ کرے گا۔ چنانچہ المعاییر الشرعیہ میں ہے:

يجب في الإجارة المنتھیة بالتملیک، تحديد طريقة تملیک العين المستأجر بوثيقة مستقلة عن عقد الإجارة، ويكون بإحدى الطرق الآتية: (أ) وعد البیع بضمن رمزي، أو بضمن حقيقي، أو بتعجيل أجرة المدة الباقية، أو بسعر السوق. (ب) وعد الهبة.²⁰

¹⁹ موسوعہ فقہیہ کویتیہ، وزارت اوقاف و اسلامی امور، (کویت: اسلامی فقہ اکیڈمی، انڈیا، ۲۰۰۹ء)، ۲۸: ۲۱۵

²⁰ المعاییر الشرعیہ، معیار نمبر ۹، ہیئۃ المحاسبہ والمراجعة للمؤسسات المالیه الاسلامیه، (بحرین: ضابطہ نمبر ۱/۸، ۲۰۰۹ء)، ۱۱۷

اجارہ منتہیہ بالتملیک میں اجارہ کے اثاثہ کی ملکیت کرایہ دار کی طرف منتقلی کا طریقہ کار اجارہ کے معاہدہ نامہ سے علیحدہ دستاویز میں طے ہونا چاہیے اور اس کے لیے درج ذیل میں سے کوئی طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے: علامتی یا حقیقی قیمت پر بیچنے کا وعدہ یا اجارہ کے دوران باقی مدت کی اجرت پر یا بازاری قیمت پر بیچنے کا وعدہ یا وعدہ ہبہ۔

بیۃ المحاسبہ کی مجلس شرعی نے اجارہ اور بہت سے دیگر مقامات جیسے مراہجہ، شرکت و مضاربت پر وعدہ کے قضاء لڑوم کا فتویٰ دیا ہے۔

یہ ساری بحث اس بات پر مبنی ہے کہ وعدے کی حقیقت کیا ہے؟ اور اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ وعدے کے لڑوم اور عدم لڑوم کے بارے میں فقہاء کرام کا مشہور اختلاف ہے، اور اس میں مختلف آراء موجود ہیں۔

پہلی رائے:

وعدے کو پورا کرنا نہ صرف لازم ہے، بلکہ عدالت کے ذریعے اس پر جبراً عمل کرنا بھی جائز ہے، یہ عمر بن عبدالعزیز، قاضی سعید، ابن شبرمہ اور بعض مالکیہ کا قول ہے۔²¹

دوسری رائے:

وعدے کو پورا کرنا قضاءً لازم نہیں، شافعیہ، حنابلہ، ظاہریہ اور حنفیہ کا یہی مذہب ہے۔ زیادہ تر حنفیہ کا یہ موقف ہے کہ وعدے کا ایفاء دیانتہً واجب ہے قضاءً واجب نہیں ہے۔²²

تیسری رائے:

بعض حضرات کے نزدیک ایفاء عہد محض مکارم اخلاق میں سے ہے، دیانتہً یا قضاءً واجب نہیں، اگر کسی نے وعدہ کر لیا تو وہ وعدہ دیانتہً یا قضاءً واجب نہیں ہے، البتہ مکارم اخلاق میں سے ہے کہ اس وعدے کو پورا کرے، لیکن اگر وہ اس وعدے کو پورا نہیں کرے گا تو اس کو ناجائز اور حرام نہیں کہیں گے۔²³

چوتھی رائے:

امام مالک کے ہاں ایفاء عہد دیانتہً تو واجب ہے اور قضاءً واجب ہونے میں تفصیل ہے کہ اگر وعدہ نے اپنے کسی کام کی وجہ سے موعود لہ کو کسی کام پر آمادہ کیا ہو تو پھر وعدے کا ایفاء قضاءً بھی لازم ہے اور اس کی مثال وہ یہ دیتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ "اہدم دارک وانا ابنی" تم اپنا گھر گرا دو میں نیا تعمیر کر دوں گا" اور اس

²¹ شمس الدین، ابو عبد اللہ الخطاب، تحریر الکلام مسائل الالتزام، (بیروت: دار الفکر، ۱۹۸۴ء)، ۱: ۱۵۴

²² الحصکفی، محمد بن علی، الدر المختار، (بیروت: دار المعرفہ)، ۵: ۲۷۷

²³ علامہ عینی، عمدة القاری، (بیروت: دار الفکر، ۱۴۱۸ھ)، ۱۲: ۱۲۱

وعدے کی بنیاد پر موعود لہ نے گھر گرا دیا تو تب اس پر گھر تعمیر کر کے دینا دیا نہ اور قضاء واجب ہے اور اگر وعدہ ایسا ہے کہ وعدے کے ذریعے موعود لہ کو کسی ایسے کام پر آمادہ نہیں کیا جو خرچ اور مشقت والا ہو تو پھر وعدے کا ایفاء قضاء لازم نہیں ہے۔²⁴

پانچویں رائے:

ایک پانچواں مذہب متاخرین حنفیہ کا ہے ان کا کہنا ہے کہ جہاں وعدے کو تعامل ناس میں قضاء لازم کرنے کی حاجت ہو، وہاں وعدے کو لازم کیا جائے گا اور جہاں حاجت نہ ہو وہاں لازم نہیں کیا جائے گا اس کی دلیل حنفیہ نے یہ دی ہے:

المواعید قد يجعل لازماً لحاجة الناس²⁵

کبھی کبھی وعدوں کو لازم کیا جاتا ہے لوگوں کی حاجت کی وجہ سے۔

گویا متاخرین حنفیہ کے نزدیک اگر مواعید ایسے ہیں جہاں ان کو لازم کرنے کی حاجت ہو تو لازم کر دیا جائے گا۔

مجلس شرعی کا فتویٰ:

المعلییر الشرعیہ میں لزوم وعدہ کا فتویٰ امام مالک اور متاخرین حنفیہ کے مذہب پر ہے اور اگر دیکھا جائے تو ان دونوں اقوال کا حاصل اور نتیجہ ایک ہی ہے۔ کیونکہ حنفیہ بھی ایسے وعدے کا ایفاء ضروری قرار دیتے ہیں جس میں لوگوں کی حاجت ہو۔

اور امام مالکؒ کے ہاں اگر واعد نے موعود لہ سے اپنے وعدے کی وجہ سے کوئی ایسا کام کروایا کہ اگر واعد وعدہ سے پھر جائے تو اس کا نقصان ہو تو وہ اسے لازم قرار دیتے ہیں، تو امام مالکؒ بھی گویا دفع ضرر کی وجہ سے لزوم وعدہ کے قائل ہیں اور متاخرین حنفیہ حاجت و ضرورت کی وجہ سے۔

²⁴ شمس الدین، ابو عبد اللہ الخطاب، تحریر الکلام مسائل الالتزام، (بیروت: دار الفکر، ۱۹۸۳ء)، ۱: ۱۵۴

²⁵ الحصفی، محمد بن علی، الدر المختار، ب (بیروت، دار المعرفہ)، ۵: ۲۷۷

معاصر اجارہ میں دفع ضرر اور تلفیق بین المذاهب کی فعالیت بیئہ الحاسبہ والمراجعة کے فتاویٰ کا تحقیق جائزہ

چنانچہ المعاییر الشرعیہ میں ہے:

الوعد بالتملیک بإحدى الطرق المذكورة في البند ١/٨ ملزم لمن صدر منه، ويجب أن يقتصر الوعد الملزم على طرف واحد، أما الطرف الآخر فيكون مخيراً؛ تجنباً للمواعدة الملزمة للطرفين الممنوعة؛ لأنها حينئذ في حكم العقد²⁶

ملکیت کی منتقلی سے متعلق شق ۱/۸ میں مذکور طریقوں کے تمام وعدے صرف وعدہ کرنے والے پر لازم ہیں اور صرف اسی ایک فریق تک ہی یہ تمام لازمی وعدے محدود رہنا ضروری ہیں، دوسرے فریق کو بہر حال اختیار ہونا چاہیے تاکہ یہ وعدے ان دو طرفہ ممنوع لازمی وعدوں سے ممتاز ہو جائیں جو عقد سے مشابہت رکھتے ہیں۔

اس کے مستندات میں مجلس شرعی نے قرآن و حدیث کے ان عمومی دلائل جن میں وعدہ پورا کرنے کی ترغیب اور پورا نہ کرنے کی مذمت آئی ہے، کے ذکر کرنے کے بعد لزوم وعدہ کی اصولی بنیاد دفع ضرر ہی کو بنایا ہے۔

ويمكن إلزام العميل بوعده استناداً إلى عمومات الأدلة من القرآن والسنة بوجود الوفاء بالعهد والوعد. وقد ورد بشأن الإلزام بالوعد من طرف واحد قرار مجمع الفقه الإسلامي الدولي، وفتوى بيت التمويل الكويتي، ومصرف قطر الإسلامي، وغيرها.²⁷

وعدہ اور عہد پورا کرنے کے سلسلے میں قرآن و حدیث کے دلائل کے عموم کو سامنے رکھ کر گاہک کو اس کے وعدے پر عمل درآمد کا پابند کرنا ممکن بھی ہے۔ یکطرفہ وعدہ لازم ہونے کے سلسلے میں مجمع الفقہ الاسلامی کی قرارداد، کویت فائنانس ہاؤس، قطر اسلامی بینک اور دیگر کا فتویٰ جاری ہو چکا ہے۔ ایک دوسرے مقام پر مجلس شرعی نے اس کی اصولی بنیاد کو ذکر کیا ہے:

مستند إلزامية الوعد هو أن المؤسسة دخلت في أمر لم تكن لتدخل فيه لولا الوعد، وهو شراء العين لتأجيرها إليه فالإلزامية الوعد تدرأ الضرر عن الموعود. ومستند منع المواعدة الملزمة أهما تشبه العقد فيؤدي ذلك إلى التعاقد قبل التملك.²⁸

²⁶ المعاییر الشرعیہ، معیار نمبر ۹، بیئہ الحاسبہ والمراجعة للمؤسسات الماليہ الاسلامیہ، (بحرین: ضابطہ نمبر ۱/۸، ۲۰۰۹ء)، ۱۱۷

²⁷ المعاییر الشرعیہ، معیار نمبر ۸، بیئہ الحاسبہ والمراجعة للمؤسسات الماليہ الاسلامیہ، (بحرین: ۲۰۰۹ء)، ۱۰۳

²⁸ المعاییر الشرعیہ، معیار نمبر ۹، بیئہ الحاسبہ والمراجعة للمؤسسات الماليہ الاسلامیہ، (بحرین: ۲۰۰۹ء)، ۱۲۶

وعدے کا لازمی ہونا اس لئے ہے کیونکہ ادارہ اس معاملے کا حصہ ہی اس وعدے کو مد نظر رکھ کر بنا ہے کہ کرایہ دار اس اجارہ کے اثاثہ کو خرید لے گا، لہذا وعدہ لازم ہو گا تاکہ جس سے وعدہ کیا گیا ہے وہ نقصان سے بچا رہے۔ جبکہ دو طرفہ وعدہ کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ یہ اس عقد سے مشابہت رکھتا ہے جس کی وجہ سے ملکیت حاصل ہونے سے باہمی عقد ہو جائے گا۔

مجلس شرعی کی دلیل میں بالکل واضح ہے کہ مجلس شرعی کے علماء نے وعدہ کو دفع ضرر کی بنیاد پر لازم قرار دیا ہے، اور مالکیہ کا یہ ہی مختار مذہب ہے، لیکن مواعدہ (ایسا وعدہ جو جانبین کے لئے ہو) کو عقد کی مشابہت کی بنا پر ناجائز کہا ہے اور اسے لازم قرار نہیں دیا۔

مجلس شرعی کے فتوے کا جائزہ:

اگر موجودہ دور کے مالیاتی مسائل کو دیکھا جائے اور ان ضرورتوں کو سامنے رکھا جائے جن کے پیش نظر معاصر علماء نے اجارہ منتہیہ بالتملیک کو اختیار کیا ہے تو لزوم وعدہ کے قول پر مجلس شرعی کا یہ فتویٰ مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر انتہائی مناسب اور درست معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ قرآن و حدیث میں ایفائے عہد کی بہت زیادہ تاکید آئی ہے، یہی وجہ ہے فقہاء کرام میں سے کسی ایک کا قول بھی یہ نہیں ہے کہ وعدہ پورا نہ کیا جائے بلکہ پوری امت مسلمہ ایفائے عہد کو ضروری سمجھتی ہے، اختلاف تو صرف قضاء لزوم میں ہے، تو جو حضرات قضاء لازم قرار دیتے ہیں وہ ایفائے عہد کے اعلیٰ درجے کو لیتے ہیں، لہذا معاملات مالیہ میں یہی قول راجح معلوم ہوتا ہے۔

۲۔ مجلس شرعی کا ایفائے عہد کو لازم قرار دینا اس لئے بھی درست ہے کہ اگر اسے لازم قرار نہ دیا جائے تو موعود کا بہت زیادہ نقصان ہو گا، خواہ وہ بینک ہو یا گاہک، تو موعود کو نقصان سے بچانے کیلئے یہ قول اختیار کرنا ہی صحیح ہے۔ جیسا کہ مجلس شرعی نے خود اس کی بنیاد لوگوں کو نقصان سے بچانے پر ہی رکھی ہے۔

۳۔ اگر ایفائے عہد کے لزوم کا قول اختیار نہ کیا جائے تو بہت سے مواقع پر بینک بھی معاملات کرنے پر راضی نہ ہوں اور لوگوں کو حرج اور تنگی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جس سے بہت سے مجبور لوگ اپنی جائز ضروریات جائز طریقے سے پوری نہیں کر سکیں گے۔ جس کے نتیجے میں سودی بینکوں کا رخ کریں گے، اور سود کے بڑے گناہ میں مبتلا ہو جائیں گے۔ لہذا لوگوں سے دفع ضرر کے لئے

اور انہیں کبیرہ گناہ سے بچانے کیلئے ایفائے عہد کے لزوم کا قول اختیار کرنا مجلس شرعی کا درست اور قابل تحسین فیصلہ ہے۔

مواعدہ کے لزوم میں تفصیلی بحث:

گزشتہ ساری بات اس وعدہ سے متعلق ہے جو من طرف واحد ہو یعنی ایک طرف سے وعدہ ہو اس کو لازم کرنے کی فقہی بنیاد مالکیہ اور متاخرین حنفیہ کا قول ہے اسی کی بنیاد پر مجلس شرعی نے "الوعدہ من طرف واحد" کہا ہے۔ جو عہد طرفین سے ہو اسے مواعدہ کہا جاتا ہے اس میں فریقین وعدہ کرتے ہیں، تو اس صورت میں یہ دونوں اپنے وعدہ کو پورا کرنے کے پابند ہوں گے، تو یہ عقد مضاف الی المستقبل کے مشابہہ ہوگا اس لئے مواعدہ اگر جانبین سے ہو تو مجلس شرعی نے اس کو جائز قرار نہیں دیا۔

لا يجوز ان تشتمل وثيقة او ما فی حکمها علی موعده ملزمة للطرفین (الموسسة والعمیل)²⁹

یہ جائز نہیں ہے کہ وعدہ کا وثیقہ یا اس کے حکم میں کوئی اور چیز جو دونوں فریق ادارہ اور گاہک میں سے ہر ایک پر لازم دو طرفہ وعدہ پر مشتمل ہو۔

مجلس شرعی نے اپنے اس فتوے کی بنیاد مجمع الفقہ الاسلامی کی قرار کو بنایا ہے:

بان الوعد انما يجوز الا لزام به اذا كان من طرف واحد، اما اذا كانت الموعده من الطرفين، فانها

لا تلزم³⁰

”صرف وعدہ کے ذریعے الزام اس صورت میں ہوگا جب کہ وہ ایک طرف سے ہو، البتہ جب وعدہ جانبین سے کیا گیا ہو تو لازم نہیں ہوگا۔“

دلائل:

۱۔ اگر وعدہ دونوں طرف سے لازم ہو تو یہ ایک ایسا عقد ہے جو مستقبل کی طرف منسوب ہے اور اسے جمہور فقہاء نے ناجائز قرار دیا ہے۔

۲۔ یہ ایک ایسا عقد ہے جس میں بدلین بیع اور شمن دونوں مؤجل ہیں اور یہ بیع الکالی بالکالی بن جاتی ہے جسے جمہور فقہاء نے ناجائز قرار دیا ہے۔

²⁹ المعالجیر الشرعیہ، معیار نمبر ۸، بیئۃ الحاسبہ والمراجعة للموسسات المالیه الاسلامیه، (بحرین: ضابطہ نمبر ۲/۳، ۱/۳، ۲۰۰۹ء)، ۹۳،

³⁰ مجلہ مجمع الفقہ الاسلامی، ۵: ۲/۱۵۹۹ھ، قرار رقم ۲، ۳، پانچواں اجلاس منعقدہ (کویت: ۱۴۰۹ھ)

- ۳۔ عام طور پر ایسے مواقع پر بیع بائع کی ملکیت میں ہی نہیں ہوتی، تو یہ بیع ایسی چیز کی ہوئی جس کا بائع مالک ہی نہیں اور یہ حدیث میں ممنوع ہے۔
- ۴۔ بیع کبھی معدوم ہوگی اور شے معدوم کی بیع جمہور فقہاء کے ہاں جائز نہیں ہے۔
- ۵۔ ان کے بقول دونوں طرف سے وعدہ ہوگا تو یہ عقد مضاف الی المستقبل کے مشابہہ ہوگا اس لئے جائز نہیں۔³¹

البتہ کچھ دیگر علماء مواعدہ من طرفین کے لزوم کے قائل ہیں جن میں سر فہرست مفتی محمد تقی عثمانی ہیں ان کے نزدیک مواعدہ من طرفین بھی جائز ہے اور اس صورت میں دونوں پر لازم ہوگا کہ وہ اس پر عمل کریں۔

مجوزین کی دلیل:

مفتی محمد تقی عثمانی کی دلیل وہی ہے جو وعدہ کے لزوم پر تمام معاصر علماء نے اختیار کی ہے یعنی لوگوں کی حاجت اور ان کو نقصان سے بچانا، انہوں نے اس مسئلے کو بیع الوفاء پر قیاس کیا ہے۔³²

بیع الوفاء کے بارے میں فتاویٰ قاضی خان میں مذکور ہے:

واختلفوا فی البیع الذی سمیہ الناس بیع الوفاء اوبیع الجائز قال اکثر المشائخ، منهم السيد الامام ابوشجاع والقاضی الامام ابو الحسن السعدي: حکمہ حکم الرهن-----والصحيح ان العقد الذی جرى بينهما ان كان بلفظ البیع لا یكون رهنا ثم ينظر ان ذکر الشرط الفسخ فی البیع فسد البیع-----وان ذکر البیع من غیر شرط، ثم ذکر الشرط علی وجه المواعدہ جاز البیع، ویلزمه الوفاء بالوعدہ، لان المواعدہ قد یكون لازمة، فتجعل لازمة لحاجة الناس³³

علماء نے اس بیع میں اختلاف کیا ہے جسے لوگ بیع الوفاء یا بیع الجائز کہتے ہیں، اکثر مشائخ جن میں سید الامام ابوشجاع اور قاضی امام ابو الحسن سعدي ہیں وہ اس کو رہن کے حکم میں سمجھتے ہیں، مگر صحیح بات یہ ہے کہ وہ عقد جو متعاقبین کے درمیان لفظ بیع کے ذریعے ہوا ہو وہ رہن نہیں ہے۔ پھر دیکھا جائے گا کہ اگر انہوں نے عقد میں کوئی شرط فاسد لگا دی ہے تو بیع فاسد ہو جائے گی، اور اگر انہوں نے بیع کا ذکر بغیر کسی شرط کے کیا پھر کسی

³¹ المعاییر الشرعیہ، معیار نمبر ۹، بیئۃ المحاسبۃ والمرآة للموسسات المالیه الاسلامیہ، (بحرین: ۲۰۰۹ء)، ۱۲۶،

³² دیکھیے، محمد تقی عثمانی، مفتی، اسلام اور جدید معاشی مسائل، (لاہور: ادارہ اسلامیات، ۲۰۰۸ء)، ۳: ۱۹۹-۲۰۱

³³ قاضی خان، حسن بن منصور، الفتاویٰ الجانیہ، فصل فی شروط المفسدۃ فی البیع، ۲: ۵۱۳

شرط کو وعدہ کے طور پر ذکر کیا تو بیع جائز ہوگی اور وعدہ پورا کرنا لازم ہوگا۔ اس لئے کہ باہمی وعدہ کبھی کبھار لازم بھی ہوتا ہے اور اس کو حاجت الناس کی وجہ سے لازم قرار دیا جاتا ہے۔
اسی طرح مالکیہ کے ہاں بھی اس کے جواز کی گنجائش نظر آتی ہے:

ويجوز للمشتري ان يتطوع للبائع بعد العقد بانه ان جاء بالثمن الى اجل كذا، فالمبيع له، ويلزم المشتري متى جاء بالثمن في خلال الاجل، او عند انقضاءه، او بعده على القرب منه، لا يكون للمشتري تفويت في خلال الاجل، فان فعل بيع او هبة او شبه ذلك نقض ان اراده البائع ورد اليه³⁴

اور مشتری کے لئے جائز ہے کہ بائع کو عقد کے بعد کہے کہ اگر تم اتنی مدت کے درمیان ثمن لے کے آؤ تو بیع تمہاری ہے، اور مشتری کو لازم ہوگا اگر وہ اس مدت میں ثمن لے آئے، یا اس مدت کے پورا ہونے پر یا پورا ہونے کے فوری بعد، مشتری نے اگر اس مدت میں بیع یا ہبہ وغیرہ جیسے معاملات سے بیع کو ضائع کر دیا ہو تو بائع اگر چاہے تو وہ اسے واپس لے کر بائع کو دے گا۔

قاضی خان کی عبارت میں تو بالکل صراحت موجود ہے کہ مواعدہ حاجات الناس کی وجہ سے لازم ہوگا اور مواعدہ تو ہوتا ہی طرفین سے ہے لہذا ان کے نزدیک ایسا وعدہ بھی لازم ہوگا جو بائع اور مشتری دونوں کریں تو ان پر اس کا پورا کرنا لازم ہوگا۔

مالکیہ کی عبارت سے اگرچہ مواعدہ کے لزوم کی صراحت تو نہیں ہے لیکن اس سے بہر حال یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ فقہاء لوگوں کو نقصان سے بچانے اور ان کی حاجات کا بہت اعتبار کرتے ہیں۔

دونوں آراء کا جائزہ:

اگر ان دونوں آراء کا جائزہ لیا جائے تو یہاں پر مفتی تقی عثمانی کی رائے مندرجہ ذیل وجوہات کی بناء پر درست معلوم ہوتی ہے۔ اور مجلس شرعی کا فتویٰ درست معلوم نہیں ہوتا۔

مجلس شرعی نے اسے ایسے عقد کے مشابہہ قرار دیا ہے جو مضاف الی المستقبل ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ صرف مشابہہ کی بنیاد پر اسے ناجائز نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ یہ عقد نہیں وعدہ ہے، وعدہ اور عقد میں بہت سے فرق پائے جاتے ہیں:

۱۔ پہلا فرق یہ ہے کہ جب وعدہ بیع کیا جاتا ہے تو جس سامان کی خرید و فروخت کی بات ہو رہی ہے اس کا حق ملکیت مشتری کی طرف منتقل نہیں ہوتا، جب تک کہ حقیقت میں بیع نہ ہو جائے بلکہ صرف اتنا

³⁴ شمس الدین، ابو عبد اللہ الخطاب، تحریر الکلام مسائل الالتزام، (بیروت: دار الفکر، ۱۹۸۲ء)، ۲: ۲۳۳

ہوتا ہے کہ دونوں پارٹیاں آپس میں وعدہ کرتی ہیں لیکن محض اس وعدے کی بنیاد پر دونوں کی ملکیت منتقل نہیں ہوتی۔

۲۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ جب کسی چیز کا وعدہ بیع ہوا ہو اور حقیقی بیع نہ ہوئی ہو تو اس وعدہ بیع کے بعد بائع وہ چیز کسی اور شخص کو فروخت کر دے تو یہ کہا جائے گا کہ اس نے اخلاقی اعتبار سے اچھا نہیں کیا لیکن قانونی اعتبار سے اس کی بیع درست سمجھی جائے گی اور خریدار اس چیز کا مالک بن جائے گا، مثلاً زید نے بکر سے وعدہ کیا میں تمہیں یہ گاڑی فلاں تاریخ کو فروخت کروں گا، لیکن پھر خالد کو فروخت کر دی تو یہ زید نے اخلاقی اعتبار سے ایک غلط کام ضرور کیا ہے، لیکن قانونی اعتبار سے یہ بیع درست ہے اور خالد اس گاڑی کا مالک بن جائے گا، بکر خالد کو یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ گاڑی میری ہے البتہ بکر کو زید سے وعدہ کی وجہ سے ہونے والے نقصان کے مطالبے کا حق ضرور ہے، اگر حقیقتاً بیع ہو جاتی تو بکر کو یہ کہنے کا حق تھا کہ گاڑی میرے حوالے کرو اور خالد سے کی گئی بیع کو فسخ کرو۔

۳۔ بیع اور وعدہ بیع میں تیسرا فرق یہ ہے کہ اگر کسی چیز کی ابھی حقیقتاً بیع نہیں ہوئی بلکہ صرف یہ معاہدہ ہوا، کہ تم مجھے یہ چیز فروخت کرو گے، اس دوران اگر بائع دیوالیہ ہو جائے تو مشتری یہ نہیں کہہ سکتا کہ فلاں چیز چونکہ میں عقد بیع کے ذریعہ خرید چکا ہوں لہذا یہ چیز مجھے دی جائے بلکہ وہ چیز بدستور بائع کی ملکیت ہوگی اور عدلیہ کے حکم کے مطابق اسے بھی دیگر سامان کے ساتھ فروخت کر کے بائع کے قرضے ادا کیے جائیں گے۔ لیکن اگر حقیقتاً بیع ہو گئی تھی تو اس صورت میں خریدار وہ سامان اپنے قبضے میں لے سکتا ہے جس کی پہلے بیع ہو چکی ہے۔³⁵

ان چند بنیادی فروق کی بناء پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسے عقد بیع کے مشابہہ نہیں قرار دیا جاسکتا، کہ جس سے بیع الکالی بالکالی اور اس جیسی دیگر خرابیاں لازم آئیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مولانا تقی عثمانی نے مواعدہ کے لزوم کی بنیاد حاجت اور دفع ضرر پر رکھی ہے تو آیا حقیقت میں اس کی حاجت اور لوگوں کا نقصان ہے یا نہیں؟

تو مضمون نگار کی رائے میں آج کل معاشی حالات کو دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ واقعتاً اس کی حاجت ہے اور بالکل اسی طرح ہے جس طرح "مراسمہ للآمر بالشراء اور اجارہ" میں آمر اور مستاجر سے وعدہ لینے میں ہے، کہ اگر وہ انکار کر دے تو بینک کا نقصان ہوتا ہے، اسی طرح اگر بائع اور موجر یعنی بینک انکار کر دے تو مشتری

³⁵ محمد تقی عثمانی، مفتی، اسلام اور جدید معاشی مسائل، (لاہور: ادارہ اسلامیات، ۲۰۰۸ء)، ۳: ۱۹۹-۲۰۱

کا بھی نقصان ہوتا ہے خاص کر سپلائی کے جو معاملات ہوتے ہیں اس میں موعده کو لازمی قرار دینا انتہائی ضروری ہے اور لوگوں کو اس کی حاجت شدیدہ ہے۔ مثال کے طور پر ایک مشتری کسی بائع کو کہتا ہے کہ مجھے فلاں ماہ میں سوٹن روئی خریدنی ہے، تم مجھ سے وعدہ کرو تم مجھے فروخت کرو گے۔ اب اس نے اس ماہ روئی سے موسم سرما کا مال تیار کرنا ہے بائع کے وعدے کی بنیاد پر اس نے کسی اور سے بات بھی نہیں کی، عین وقت پر بائع انکار کر دے تو یہ مشتری بے چارہ کدھر جائے گا اس کا تو پورے سال کا نقصان ہوگا، اسی طرح ہو سکتا ہے کہ بائع کے پاس اتنی روئی نہ ہو وہ اس کا انتظام کرتا ہے، دوسرے شہروں سے خرید کر لاتا ہے اور عین وقت پر مشتری انکار کر دے تو بائع کا نقصان ہوگا۔

اسی طرح بیرون ملک تجارت میں موعده کے لزوم کی بہت حاجت ہے۔ جب کوئی تاجر سامان ایکسپورٹ کرتا ہے تو سب سے پہلے اسے بیرون ملک ایمپورٹر کی طرف سے آرڈر موصول ہوتا ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جتنا آرڈر ملا ہے اتنا مال اس وقت موجود نہیں ہے اب وہ اس آرڈر کو پورا کرنے کیلئے دن رات ایک کر رہا ہے، بسا اوقات دوسرے تاجروں کو آرڈر دے کر مال تیار کرواتا ہے تاکہ مقررہ وقت تک اتنا مال تیار ہو جائے، اب جب وہ مال تیار ہو گیا تو ایمپورٹر انکار کر دے تو اسے شدید نقصان کا سامنا ہوگا۔ اسی طرح بائع کے انکار سے ایمپورٹر کو شدید نقصان ہوگا اس کی ساکھ بھی خراب ہوگی اور مالی نقصان بھی ہوگا۔

اسی طرح اجارہ میں بعض دفعہ یہ موجد کی طرف وعدہ ہوتا ہے کہ اتنے ماہ یہ چیز کرایہ پر ہوگی اور پھر ثمن حقیقی پر موجد کرایہ دار کو یہ چیز فروخت کرے گا اب جس نے وعدہ کیا وہ تو وعدے کی بنا پر فروخت کرنے کا پابند ہے، لہذا اس کی وجہ سے کرایہ دار تو نقصان سے بچ جائے لیکن کیونکہ موعده نہیں ہے اس لئے کرایہ دار خریدنے سے انکار کر دے تو موجد وہ چیز کہاں لے جائے گا حالانکہ موجد عام طور پر کرایہ دار کی ڈیمانڈ پر وہ چیز خریدتا ہے اور اس کے انکار سے اسے نقصان ہوتا ہے، اسی صورت میں اگر عقد اجارہ میں یہ طے ہوا کہ اتنی مدت مستاجر یہ چیز کرایہ پر رکھے گا، پھر موجد اسے یہ چیز علامتی قیمت پر فروخت کرے گا یا بہہ کرے گا تو یک طرفہ وعدے کی بنا پر مستاجر نے اتنی مدت پوری کی لیکن اب موجد اسے وہ چیز نہیں دے رہا تو مستاجر کو نقصان ہوگا، اس لئے موعده کی صورت میں دونوں سے دفع ضرر ہو جائے گا اور کسی کا بھی نقصان نہیں ہوگا۔

لہذا آج کے تجارتی معاملات کو دیکھتے ہوئے یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ مفتی تقی عثمانی کی رائے درست ہے لہذا بائع و مشتری، موجد و مستاجر میں سے جو بھی انکار کرے گا دوسرے فریق کو قانونی چارہ جوئی کا حق حاصل ہوگا، اور عدالت اس کو دو باتوں پر مجبور کر سکتی ہے۔ ایک یہ کہ یا تو اپنا وعدہ پورا کرے مثلاً اگر سامان بیچنے

کا وعدہ کیا ہے تو وہ سامان بیچے اور اگر خریدنے کا وعدہ کیا ہے تو خریدے، دوسرے یہ کہ اگر وہ شخص کسی وجہ سے اپنے اس وعدے کو پورا کرنے پر قادر نہ ہو تو اس صورت میں اس سے نقصان وصول کرنے کا حکم دے۔

مفتی تقی عثمانی صاحب کی رائے کے درست ہونے کی دوسری اور اہم وجہ آج کل لوگوں کی دین سے دوری اور اخلاقی بے راہ روی ہے اگر موعده کے لزوم کا قول اختیار نہ کیا جائے تو آج کل لوگ تو محض چند پیسوں کی وجہ اپنی بات سے پھر جاتے ہیں اور دوسرے کا ذرہ بھی احساس نہیں کرتے، اس لئے موعده من طرفین کے لزوم کا قول ہی زیادہ راجح ہے کیوں کہ اس میں جانبین کو قانونی چارہ جوئی تو حق ہو گا اور عاقدین نقصان سے محفوظ رہیں گے۔

موعده کے لزوم کے قول کے راجح ہونے کی تیسری وجہ خود انکار کرنے والوں کا عمل بھی ہے کہ وہ وعدہ کے لزوم میں مالکیہ اور متاخرین حنفیہ کا قول دفع ضرر کی وجہ سے ہی اختیار کرتے ہیں کہ وہ وقت کی ضرورت ہے تو جس طرح وہاں ضرورت ہے اسی طرح موعده میں بھی ضرورت ہے اور یہاں بھی مفتی تقی عثمانی صاحب نے مالکیہ اور متاخرین حنفیہ کا قول ہی اختیار کیا ہے۔

لہذا یہاں پر مجلس شرعی کا موعده کے عدم لزوم کا فیصلہ درست معلوم نہیں ہوتا کیونکہ جس طرح ایک طرف سے دفع ضرر کی وجہ سے وعدے کو لازم قرار دیا ہے، اسی طرح دفع ضرر کی ضرورت موعده میں بھی پائی جاتی ہے، لہذا دونوں طرف سے کیا گیا وعدہ بھی لازم ہی ہونا چاہیے۔

وفات کی بناء پر فسخ اجارہ:

یہ مسئلہ بھی فقہاء کے درمیان مختلف فیہ ہے کہ احد المتعاقدين کے انتقال سے اجارہ فسخ ہوتا ہے یا نہیں؟

حنفیہ کا مذہب:

حنفیہ کے نزدیک احد المتعاقدين کے انتقال سے اجارہ فسخ ہو جاتا ہے یعنی فرض کریں کہ موجر کا انتقال ہو گیا تو اب وہ چیز موجر کے ورثاء کی ملکیت میں چلی گئی ہے، تو چونکہ ملکیت تبدیل ہو گئی ہے اس لئے نئے مالکوں کو یہ حق ہے کہ وہ اجارہ کو باقی رکھیں یا ختم کر دیں، اسی طرح اگر مستاجر کا انتقال ہوتا ہے تو اس کے ورثاء کو بھی یہ حق ہے کہ وہ چاہیں تو باقی رکھیں چاہیں تو اجارے کو ختم کر دیں، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ان کو اس چیز کی ضرورت نہ ہو، اس لئے حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ احد المتعاقدين کی موت سے اجارہ فسخ ہو جائے گا۔

معاصر اجارہ میں دفع ضرر اور تلفیق بین المذہب کی فعالیت بیحد الحاسبہ والمراجعة کے فتاویٰ کا تحقیق جائزہ

چنانچہ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

"واذا مات احد المتعاقدين وقد عقد الاجارة لنفسه انفسخت الاجارة"³⁶

”اور جب متعاقدين میں سے کوئی ایک مر جائے اور اس نے اجارہ اپنے لئے کیا ہو تو اجارہ فسخ ہو جائے گا۔“

شافعیہ اور حنابلہ کا مذہب:

احد المتعاقدين کی موت سے جمہور یعنی شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اجارہ فسخ نہیں ہوتا بلکہ جاری رہے گا اور اپنی مدت پوری کرے گا۔³⁷

مالکیہ کا مذہب:

امام مالک کے نزدیک اجارہ فسخ تو نہیں ہوگا البتہ اگر ورثاء عاجز آجائیں تو ان کو اجارہ فسخ کرنے کا حق ضرور ہے۔³⁸

مجلس شرعی کا فتویٰ:

اس مسئلہ میں مجلس شرعی نے مالکیہ کے مذہب پر فتویٰ دیا ہے اور لکھا ہے:

لا تنتهي الإجارة بوفاة أحد المتعاقدين، على أنه يجوز لورثة المستأجر فسخ العقد إذا اثبتوا أن أعباء العقد أصبحت بسبب وفاة مورثهم أثقل من أن تتحملها مواردهم أو أنها تجاوزت حدود حاجتهم.³⁹

کسی ایک فریق کے وفات پا جانے سے اجارہ ختم نہیں ہوگا۔ البتہ اگر فوت ہونے والے فریق کے ورثاء یہ ثابت کر دیں کہ یہ معاہدہ ان کے مورث کی وفات کے باعث ان کیلئے ناقابل برداشت ہو جائے گا یا یہ ان کی ضرورت سے زائد ہے تو یہ معاہدہ ختم کر سکتے ہیں۔
چنانچہ اس کی دلیل مجلس شرعی نے یہ دی ہے:

مستند عدم انتهاء الإجارة بوفاة أحد العاقدين أنها متعلقة بعين فمادامت العين باقية والعقد قائما فالإجارة باقية. ومستند حق الورثة في الفسخ إذا أثبتوا عجز مواردهم عن أعباء العقد دفع الضرر

³⁶ المرغيناني، ابوالحسن علی بن ابوبکر، المهداية، (لمتان: مکتبہ شرکتہ علمیہ، سن)، ۳: ۳۱۵

³⁷ ابن قدامہ، المغنی، دار هجر، (قاہرہ: ۱۴۰۶ھ)، ۵: ۴۴۷

³⁸ الدسوقي، محمد بن احمد، حاشية الدسوقي، (بيروت: المکتبہ المصریہ)، ۴: ۳۲

³⁹ المدعیہ الشرعیہ، معیار نمبر ۹، بیحد الحاسبہ والمراجعة للموسسات المالیه الاسلامیه، (بحرین: ضابطہ نمبر ۷/۲، ۳/۲، ۲۰۰۹ء)، ۱۱۷

عنہم وهذا الاستثناء مأخوذ من مذهب مالك، وفيه فسحة للمستأجر أما المؤجر فلا يتضرر ورثته لأنهم يحصلون على الأجرة بعدم انتهاء الإجارة.⁴⁰

کسی ایک فریق کے انتقال سے اجارہ کے معاہدے کے ختم نہ ہونے کی بنیاد یہ ہے کہ یہ معاہدہ اجارہ کے اٹانے کے وجود سے وابستہ ہے جب تک وہ اثاثہ باقی رہے گا، معاہدہ بھی باقی رہے گا۔ اگر وراثہ اس عقد کی ذمہ داری اٹھانے سے اپنی عاجزی ثابت کر دیں تو نقصان سے بچانے کیلئے ان کو حق فسخ حاصل ہے، یہ استثناء امام مالک کے مذہب سے لیا گیا ہے اور اس میں کرایہ دار کیلئے سہولت بھی ہے، جہاں تک کرایہ پر دینے والے کا تعلق ہے تو اس کے وراثہ کو کوئی نقصان نہیں، کیونکہ اجارہ ختم نہ ہونے کی وجہ سے انہیں اجرت ملتی رہے گی۔

مجلس شرعی نے یہاں امام مالک کے قول پر فتویٰ دینے کی واضح وجہ مستاجر کے وراثہ کو نقصان سے بچانا لکھی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ موجر کے وراثہ کو فسخ اجارہ کا کوئی حق نہیں، کیونکہ ان کو کوئی نقصان لاحق نہیں۔

مجلس شرعی کے فیصلے کا جائزہ:

مجلس شرعی کے علماء کا یہ فیصلہ امام مالک کے مذہب کے مطابق کرنا بالکل حالات حاضرہ کے مطابق ہے، کیونکہ حنفیہ کے مذہب کے مطابق اجارہ کو ہر صورت میں فسخ کرنا بہتر اس لئے نہیں کہ اس سے بسا اوقات فریقین یا ان میں سے کسی ایک کا شدید نقصان ہو سکتا ہے کیوں کہ آج کل اجارہ بڑی بڑی مشینوں اور اور زمینوں کا ہوتا ہے جس سے بہت سے افراد کے حقوق وابستہ ہوتے ہیں اور ان میں بہت سی قانونی پیچیدگیاں بھی ہوتی ہیں۔ جبکہ شافعیہ اور حنبلیہ کے مذہب کے مطابق بھی وراثہ کو نقصان کا قوی اندیشہ ہے کہ ان کے مذہب میں کسی بھی صورت میں اجارہ فسخ نہیں ہو سکتا، حالانکہ بعض دفعہ عدم فسخ میں وراثہ کو ناقابل بیان نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔ البتہ امام مالک کا مذہب راہ اعتدال لئے ہوئے ہے اس میں بلا ضرورت اجارہ فسخ نہیں ہوگا، لیکن اگر وراثہ کو مسائل درپیش ہوں، ان کو نقصان لاحق ہو اور وہ اس کو ثابت بھی کر دیں کہ ہمارے لیے اس اجارہ کو جاری رکھنا نقصان کے بغیر بہت مشکل ہے تو پھر اجارہ فسخ ہو جائے گا۔ تو گویا کہ مجلس شرعی کے اس فتوے میں موجر مستاجر اور حالات حاضرہ کے معاملات اور ضرورت کو مد نظر رکھ کر دفع ضرر کو بنیاد بنایا گیا ہے، اس لئے فقہی اعتبار سے یہ فیصلہ بالکل درست معلوم ہوتا ہے۔

⁴⁰ المعالج الشرعی، معیار نمبر ۹، بیئۃ المحاسبۃ والمراجعة للمؤسسات المالیه الاسلامیہ، (بحرین: ۲۰۰۹ء)، ۱۲۵.

عذر کی وجہ سے فسخ اجارہ کا حکم:

عذر کی وجہ سے اجارہ فسخ ہو گا یا نہیں؟ تو اس میں بھی ائمہ اربعہ کا مشہور اختلاف ہے۔ حنفیہ کے نزدیک عذر کی وجہ سے اجارہ فسخ کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے:

وتفسخ الاجارة بالاعذار عندنا⁴¹

اور ہمارے یعنی حنفیہ کے نزدیک عذر کی وجہ سے اجارہ فسخ ہو جائے گا۔

عذر سے مراد یہ ہے کہ عاقد کیلئے بغیر کسی نقصان کے عقد جاری رکھنا ممکن نہ رہے، عیب اور عذر میں فرق ہے کہ عیب کی وجہ سے معقود علیہ کے منافع میں کمی واقع ہوتی ہے، جس کی وجہ سے وہ مکمل منفعت کے لائق نہیں رہتا، جبکہ عذر معقود علیہ کے عین میں نقص کا کوئی سبب نہیں بنتا بلکہ عذر ایسی صورت حال کو کہا جاتا ہے کہ عاقد کو عقد پر جاری رہنے کی صورت میں کسی نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

چنانچہ جامع الصغیر میں ہے:

رجل اکتري ابالاً فاراد ان يقعدن فهو بعذر وان اراد مالک لذلک فليس بعذر⁴²

کسی شخص نے اونٹ کرایے پر لیا پھر نہ جانے کا ارادہ کیا تو یہ عذر ہے لیکن اگر اونٹ کا مالک نہ جانے کا فیصلہ کرے تو یہ عذر شمار نہیں ہوگا۔

اس کے ذیل میں عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں:

ماتن کے قول (فہو عذر) سے مراد یہ ہے کہ بعض اوقات زادراہ کے ضائع ہونے کی وجہ سے سفر ممکن نہیں رہتا، اگر ایسی صورت میں اجارہ فسخ نہ کیا گیا تو مستاجر کو نقصان کا سامنا کرنا پڑے گا، اور ماتن کے قول (فليس بعذر) کا مطلب یہ ہے کہ اونٹ کا مالک عقد کو جاری رکھ سکتا ہے بائیں طور کہ خود نہ جائے کسی نائب کو بھیج دے جو اونٹ کی دیکھ بھال کرے، لہذا یہ اس کیلئے عذر نہیں۔⁴³

اس سے معلوم ہوا کہ حنفیہ کے نزدیک جس عذر کی وجہ سے عقد اجارہ کو فسخ کرنا جائز ہے وہاں عذر سے مراد ایسا عذر ہے کہ جس کی وجہ سے عقد کو جاری رکھنا فریقین میں سے کسی کیلئے بغیر نقصان برداشت کیے ممکن نہ رہے۔

⁴¹ المرغینانی، ابوالحسن علی بن ابوبکر، الھدایۃ، (ملتان: مکتبہ شریکۃ علمیہ، سن)، ۳: ۳۱۵

⁴² لکھنوی، عبدالحی، النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر مع الجامع الصغیر، (بیروت: عالم الکتب، ۱۴۰۶ھ)، ۱: ۳۳۸

⁴³ لکھنوی، عبدالحی، النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر مع الجامع الصغیر، (بیروت: عالم الکتب، ۱۴۰۶ھ)، ۱: ۳۳۸

احناف کی دلیل:

حنفیہ کا اصول یہ ہے کہ اجارہ کا انعقاد شیناً کشیداً ہوتا ہے اس کو اعیان ثابتہ کا حکم دینا درست نہیں، جس وقت متعاقدین میں سے کسی کو عذر لاحق ہوتا ہے اور وہ عقد پورا کرنے میں مشکل محسوس کرتا ہے اس کے بعد جو منفعت اس نے حاصل کرنی ہے اس پر گویا ابھی تک اس کا قبضہ نہیں ہوا، چنانچہ اگر وہ عقد جاری نہیں رکھتا تو یہ امتناع عن القبول کسلائے گا جس کا وہ حق رکھتا ہے۔⁴⁴

مالکیہ شافعیہ اور حنابلہ کا مذہب:

جمہور فقہاء کے نزدیک عقد اجارہ عذر کی وجہ سے فسخ کرنا جائز نہیں ہے۔

چنانچہ علامہ ابن رشد لکھتے ہیں:

فقہاء کی ایک جماعت جو مالک، شافعی، سفیان ثوری، ابو ثور وغیرہ پر مشتمل ہے کے نزدیک اجارہ عقود لازمہ کو فسخ کرنے والے دو امور کے ذریعے ہی فسخ ہو سکتا ہے یعنی عیب کا پایا جانا یا منفعت کے محل کا ختم ہو جانا۔⁴⁵

جمہور کی دلیل:

جمہور کی دلیل قرآن کی آیت ”وفوا بالعقود“ ہے کیونکہ اجارہ کا عقد عقد معاوضہ ہے لہذا یہ بیع کی طرح ہو گا اور اس کا حکم بھی بیع والا ہی ہو گا، اس لئے عذر کی وجہ سے اس کو فسخ کرنا جائز نہیں۔⁴⁶

مجلس شرعی کا فیصلہ:

اس مسئلہ میں مجلس شرعی کے علماء نے حنفی مذہب کے مطابق فتویٰ دیا ہے:

يجوز فسخ عقد الإجارة باتفاق الطرفين، ولا يحق لأحدهما فسخها إلا بالعدر الطارئ⁴⁷

فریقین کے اتفاق سے عقد اجارہ فسخ کرنا جائز ہے، فریقین کے متفق نہ ہونے پر اجارہ کو فسخ کرنے کا ان میں سے کسی کو اختیار نہیں لیکن اگر عذر درپیش ہو تو پھر ایک طرفہ طور پر اجارہ فسخ کیا جاسکتا ہے۔

⁴⁴ برہان الدین، ابو المعالی، محمود بن احمد بن عبد العزیز، المحیط البرہانی فی فقہ النعمانی، (دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۳ھ)، ۷: ۳۹۸

⁴⁵ ابن رشد، محمد بن احمد، بدایۃ المجتہد ونہیۃ المقتصد، ۴: ۱۳؛ الملہذہب، ۱: ۴۰۵

⁴⁶ ایضاً

⁴⁷ المدعیہ الشرعیہ، معیار نمبر ۹، بیئۃ المحاسبۃ والمراجعة للموسسات المالیه الاسلامیہ، (بحرین: ضابطہ نمبر ۷/۲/۱، ۲۰۰۹ء)، ۱۱۷

اور اس کی دلیل میں یہ لکھا ہے:

مستند فسخ الإجارة بالعدر الطارئ هو الحاجة لأنه لو لزم العقد مع وجود العذر لزم صاحب العذر ضرر لم يلتزمه بالعقد.⁴⁸

کسی پیش آمدہ عذر یعنی ضرورت کی وجہ سے اجارہ ختم کرنے کی گنجائش اس لئے ہے کیونکہ اگر اس مجبوری کے باوجود اجارہ کا معاملہ جاری رہے تو صاحب عذر کو ایسا نقصان پہنچے گا جس کا اس نے معاہدے میں التزام نہیں کیا تھا۔

اس مسئلہ میں بھی مجلس شرعی نے حنفیہ کے مذہب کو صاحب عذر سے دفع ضرر کی بنیاد پر لیا ہے۔

مجلس شرعی کے فیصلے کا جائزہ:

مجلس شرعی کے علماء کا یہ فیصلہ حنفی مذہب پر مبنی ہے اور ان علماء کا یہ موقف اختیار کرنا بالکل درست ہے۔

وجوہات مندرجہ ذیل ہیں:

۱- عقد اجارہ لوگوں کی حاجات کے پیش نظر خلاف قیاس مشروع کیا گیا ہے کیونکہ اس میں موجد کا بھی فائدہ ہے کہ اس کو کرایہ مل رہا ہے اور مستاجر کو عین متاجرہ سے منفعت حاصل کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ لیکن جب مستاجر کو عقد سے بجائے فائدے کے نقصان ہونے لگے اور عقد کے جواز کی علت ختم ہو جائے گی تو عقد اپنی اصل پر لوٹ آئے گا اور وہ عدم جواز ہے اور یہ صرف بات حنفیہ کے مسلک میں ہے۔

۲- دور حاضر میں بنک بڑی مالیت کے حامل عقود اجارہ سرانجام دیتا ہے مثلاً بڑی بڑی مملو کی مشینری کا اجارہ کرنا، بیش قیمت گاڑیوں کا اجارہ وغیرہ، یہ ایسے عقود ہیں جن پر برقرار رہنے کیلئے زر کثیر چاہیے، ایسی صورت حال میں اگر کسی ایک فریق کو کوئی عذر درپیش ہو اور اس کو اجارہ پر برقرار رہنے پر مجبور کیا جائے تو اس کو بہت نقصان اٹھانا پڑے گا، ان بڑی مالیت کے عقود اجارہ کو دیکھتے ہوئے عوام کا مفاد اسی میں ہے کہ ان کے اعذار کی وجہ سے عقد اجارہ کو فسخ کیا جائے۔

۳- یوں بھی اس مسئلہ میں حنفیہ کے دلائل قوی ہیں لہذا دور حاضر میں اس پر فتویٰ دینا علمی اعتبار سے بھی بہتر معلوم ہوتا ہے۔

⁴⁸المعلیٰ الشرعیہ، معیار نمبر ۹، بیئۃ المحاسبہ والمراجعة للموسسات المالیه الاسلامیہ، (بحرین، ۲۰۰۹ء)، ۱۲۶.

۴۔ - بنک کے ساتھ جب اجارہ کیا جاتا ہے تو بنک گاہک کے معاملے میں سنجیدگی کو جانچنے کیلئے ہامش جدید وصول کرتا ہے۔ گاہک کا ہامش جدید ادا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ معاہدہ پورا کرنے کا عزم رکھتا ہے اور اس کی مالی حیثیت بھی معاہدہ پورا کرنے کی اجازت دیتی ہے لیکن بعد میں کسی وجہ سے وہ اس معاہدے کو فسخ کرنا چاہتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی تشویشناک صورت حال کا شکار ہے۔ اور معاہدے پر برقرار رہنا اس کیلئے ممکن نہیں رہا، اس لئے اسے گنجائش ملنی چاہیے۔ ان وجوہات کی بناء پر یہ بات و ثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ اس مسئلہ میں مجلس شرعی کا حنفی مسلک کے مطابق فتویٰ دینا موجودہ حالات و واقعات کے تناظر میں بالکل درست ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

خلاصہ بحث:

مذکورہ بحث کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ کسی ایک مسئلے میں یا ایک باب کے مختلف مسائل میں یا مختلف ابواب کے مختلف مسائل میں مختلف مذاہب کو اختیار کرنا "تلفیق" کہلاتا ہے لیکن ان تینوں صورتوں میں سے صرف پہلی صورت اس وقت مذموم ہے جب اس کی مرکب حالت کسی بھی فقہ کے نزدیک جائز نہ ہو، جب کہ باقی دونوں صورتیں اور پہلی صورت میں جب مذکورہ کیفیت نہ پائی جائے تو جمہور علماء کے نزدیک جائز ہیں۔ یدئہ المحاسبہ والمراجعہ کی مجلس شرعی نے معاصر مالیاتی مسائل کے حل میں جو تلفیق کی ہے وہ عام طور پر دوسری یا تیسری قسم کی ہے جو جمہور علماء کے نزدیک جائز جب کہ بعض کے نزدیک لوگوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے بعض صورتوں میں ضروری بھی ہے۔

"الاجارۃ المنتہیۃ بالتملیک" اجارہ کی ایک خاص جدید شکل ہے جس کے بارے میں پہلی کتب میں صراحت کے ساتھ احکام و مسائل نہیں ملتے، البتہ یدئہ المحاسبہ والمراجعہ کے فقہاء نے قرآن و سنت اور قدیم فقہاء کے اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے جدید حالات کے تناظر میں اس کے اصول و ضوابط بڑی شرح و بسط کے ساتھ بیان کئے ہیں، اجارہ فی نفسہ خدمات کو کرایہ پر لینے کا ایک عقد ہے لیکن اس عقد کو جدید مالیاتی اداروں کے لئے قابل عمل طریقہ تمویل بنانے کیلئے علماء نے تمام مذاہب کا سہارا لیا ہے اور پورے معیار کا مطالعہ کیا جائے تو اس میں تلفیق بین المذاہب مکمل طور پر فعال نظر آتی ہے۔

چنانچہ مجلس شرعی کے علماء نے عین موصوفہ فی الذمہ کے جواز میں امام شافعی، لزوم وعدہ اور احد المتعاقدين کی وفات میں امام مالک، مستاجر کاشے مستاجرہ کو زائد اجرت پر آگے اجارہ پر دینے کے مسئلے میں جمہور فقہاء (مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ)، مستاجر کاشے مستاجرہ کو دوبارہ موجد کو اجارہ پر دینے میں مالکیہ

اور شافیہ، اور عذر کی وجہ سے اجارہ کے فسخ کرنے میں حنفی مذہب کے مطابق فتاویٰ جاری کیے ہیں۔ ان مسائل میں مجلس شرعی نے مختلف اصول و ضوابط اور دلائل کی بنیاد پر تلفیق کی ہے البتہ لزوم وعدہ، احد المتعاقدین کی وفات اور عذر کی بنا پر فسخ اجارہ کے فتاویٰ میں تلفیق کی بنیاد دفع ضرر اور رفع حرج کو بنایا ہے۔

نتائج بحث:

اس ساری بحث سے مندرجہ ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

- ۱- تلفیق کے لغوی معانی و چیزوں کو ملانے کے ہیں۔
 - ۲- تلفیق کے اصطلاحی معنی کسی ایک مسئلہ میں یا مختلف مسائل میں مختلف مذاہب پر عمل کرنے کا نام ہے اور یہ تقلید ہی کی ایک صورت ہے۔
 - ۳- قدیم فقہاء لفظ تلفیق کو لغوی معنی میں زیادہ تر استعمال کرتے ہیں اصطلاحی معنی میں نہیں۔
 - ۴- دسویں صدی ہجری کے بعد تلفیق علماء کے ہاں اصطلاحی معانی میں مستعمل ہوا ہے۔
 - ۵- تلفیق کے مجوزین کا قول مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر راجح ہے:
 - ۱- تلفیق کی ممانعت پر کوئی نص قطعی موجود نہیں ہے۔
 - ۲- تلفیق کے عدم جواز سے لوگوں کو تنگی کا سامنا کرنا پڑے گا جو شریعت کے مزاج کے خلاف ہے۔
 - ۳- دور صحابہ و تابعین میں کسی متعین مذہب کی تقلید نہیں تھی بلکہ تلفیق کی ہی ایک صورت تھی۔
- تلفیق کے جواز اور عدم جواز میں تمام علماء کے اقوال کا تجزیہ کیا جائے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تلفیق نہ مطلقاً ناجائز ہے اور نہ ہی مطلقاً جائز ہے بلکہ اس کا جواز چند شرائط کے ساتھ مشروط ہے۔
- مجلس شرعی نے اجارہ کے باب میں دفع ضرر کی بنیاد پر جن مسائل میں تلفیق کی ہے ان فتاویٰ میں مجلس شرعی کے علماء کا موقف لوگوں کی حاجات کے اعتبار سے بالکل درست معلوم ہوتا ہے، اور یہ تلفیق شرعاً جائز ہے کیوں کہ اس میں اتباعِ ہوی اور خواہشات نفس نہیں ہے۔
- مجلس شرعی نے باب اجارہ میں جن مسائل میں تلفیق کی ہے وہ اور ان کا حکم ملفق مندرجہ ذیل ہے:
- الاجارۃ المنتہیہ بالتملیک یعنی وہ اجارہ جو ملکیت پر ختم ہو، میں وعدہ خواہ ایک جانب سے ہو یا جانبین سے، حاجت الناس اور دفع ضرر کی وجہ سے لازم ہوگا، لہذا اگر واعد وعدہ سے پھر جائے اور اس کی وجہ سے موعود لہ کا جو نقصان ہو تو واعد پر اس نقصان کی تلافی لازم ہوگی۔ البتہ مجلس شرعی کے علماء نے

جانبین سے وعدہ کی صورت میں یہ حکم نہیں لگایا، جس سے مقالہ نگار متفق نہیں ہے، مقالہ نگار کی نظر میں جس طرح وعدے کا لزوم جانبِ واحد ہے اسی طرح اگر وعدہ جانبین سے ہو تو وہ بھی لازم ہوگا، لہذا طرفین مواعدہ کی صورت میں بھی ایک دوسرے کے نقصان کے ذمہ دار ہونگے۔ وفات کی بنیاد پر عقدِ اجارہ فسخ تو نہیں ہوگا البتہ اگر ورثاء عاجز آجائیں تو ان کو اجارہ فسخ کرنے کا حق ضرور ہے۔

عذر کی بنا پر فریقین کے اتفاق سے عقدِ اجارہ فسخ کرنا جائز ہے، فریقین کے متفق نہ ہونے پر اجارہ کو فسخ کرنے کا ان میں سے کسی کو اختیار نہیں ہے، لیکن اگر عذر درپیش ہو تو پھر ایک طرفہ طور پر بھی اجارہ فسخ کیا جاسکتا ہے۔